علم کا بحرِ بے کراں

پروفیسر خورشید احمد

عالم کی موت عالَم کی موت کے مترادف ہے۔ موۃ العالِم موۃ العالَم، محض عربی زبان کا ایک مقولہ ہی نہیں انسانی زندگی کی ایک بڑی بنیادی حقیقت کا اعتراف اور اعلان ہے۔ زندگی صرف ہوا اور پانی کا نام نہیں' اس کا اصل جوہر علم کی روشنی ہے اور اہل علم میں سے کسی ایک چراغ کا بجھ جانا بھی انسانیت کے لیے بڑے خسارے کا معاملہ ہے چہ جائیکہ ایک بقعۂ نور سے محروم ہو جانا---! بلاشبہہ شیخ القرآن والحدیث مولانا گوہر رحمٰن کا ہمارے درمیان سے رخصت ہو جانا علمی دنیا کا ایک ناقابلِ تلافی خسارہ ہے اور خصوصیت سے تحریکِ اسلامی کے علمی اور نظریاتی حلقے میں تو ایک ایسا خلا واقع ہو گیا ہے جسے برسوں محسوس کیا جائے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محترم مولانا مودودیؒ اور جناب ملک غلام علیؒ کے اٹھ جانے کے بعد جس شخص نے ہر علمی محاذ پر تحقیق اور تفقہ کے جوہر دکھائے اور اپنا لوہا منوایا وہ مولانا گوہر رحمٰن ہی تھے اور ان کے انتقال سے ایسا لگتا ہے جیسے ع

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا!

مولانا گوہر رحمٰن مرحوم سے ملاقاتوں اور بحث و استفادہ کا سلسلہ ۱۹۶۳ء میں ان کے مرکزی مجلس شوریٰ میں آنے سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن زیادہ قریبی تعلق ۱۹۸۵ء میں ان کے قومی اسمبلی میں انتخاب سے بنا۔ شوریٰ کے اولین دور میں وہ نسبتاً کم گو تھے لیکن آہستہ آہستہ ان کا contribution بڑھتا گیا اور ہر میدان میں--- علمی، تنظیمی، دعوتی اور احتسابی--- انھوں

نے اپنا منفرد مقام بنالیا۔ گذشتہ ۲۰، ۲۵ سال میں مجھے ان کو بہت قریب سے دیکھنے، گھنٹوں ان سے بحث و گفتگو کرنے اور ان کی تحریروں کو بغور پڑھنے کا موقع ملا اور تعلق خاطر گہرے سے گہرا ہوتا چلا گیا۔ اس زمانے میں ان سے ہر ملاقات حتیٰ کہ ہر اختلاف کے بعد ان کی عظمت کا نقش اور بھی تابندہ ہوتا رہا۔ مولانا کے تبحر علمی اور عظمت کردار دونوں نے ان کا گرویدہ بنالیا۔ نصف صدی کے اس دریچے میں جتنا بھی دیکھتا ہوں ان کی علمی عظمت، اخلاقی وجاہت، تحریکی معاملات میں فہم و فراست اور دینی حمیت ہی کے نقوش نظر آتے ہیں۔ کچھ معاملات میں مولانا کے مزاج میں سختی بھی تھی لیکن اس کا تعلق ان کی ذات سے نہیں، دین اور تحریک کے مفاد اور اس کے مزاج کے تحفظ کے جذبے سے تھا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کے احکام کے بارے میں ان کی بے لاگ وفاداری کا غماض تھا۔ وہ ہمارے دور میں سلف کا نمونہ تھے اور تحریک کا قیمتی سرمایہ۔ ان کی تنقید اور ان کا احتساب ان کے علمی افادات سے کچھ کم ہماری متاع نہ تھے۔

مولانا گوہر رحمٰن ایک غریب مگر صاحبِ علم دینی گھرانے میں مانسہرہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں (چہراسی درہ شنگلی) میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مولوی شریف اللہ کے انتقال کے بعد، جو آبائی گاؤں سے کوئی ۱۰ میل دُور کوبائی نام کے ایک گاؤں میں امام تھے، عالم طفولیت ہی میں والدہ، ایک بھائی اور تین بہنوں کے ساتھ، دنیوی سہارے سے محروم ہوکر، ننھیال منتقل ہو گئے اور بڑی عسرت کی زندگی گزاری۔ ماں کی محبت اور محنت سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، پرائمری تعلیم کے بعد دینی تعلیم حاصل کی اور ۱۵ سال کی عمر میں درسِ نظامی سے فراغت حاصل کر لی۔ اس زمانے کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ’’کھانا تو مسجد میں کسی نہ کسی طرح مل ہی جاتا تھا اگرچہ ہشت نگر کے گاؤں شیخو تروسردھڑی کے دورانِ قیام میں بعض اوقات ہفتوں تک دن کا فاقہ کرنا پڑتا تھا لیکن کپڑوں اور جوتوں کے لیے اسباق کے اوقات کے بعد مزدوری کرتا تھا‘‘۔

ایسی پُرمشقت زندگی کے باوجود انھوں نے حصولِ علم میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور ۱۹۵۱ء میں تحصیل صوابی کی ایک مسجد میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ پھر مولانا غلام اللہ خان مرحوم کے

دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی اور دارالعلوم سلفیہ فیصل آباد میں مختصر مدت کے لیے درس وتدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد بالآخر مولانا غلام حقانی امیر جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے مشورے سے ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم تفہیم القرآن کی بنیاد ڈالی جو مولانا گوہر رحمٰن کی مسلسل محنت، اللہ تعالیٰ کے فضل اور ساتھیوں کی تائید و معاونت سے آج صوبہ سرحد کی ایک عظیم جامعہ کا مقام حاصل کر چکی ہے۔ اس سے ہزاروں طلبا دین کا علم حاصل کر کے ملک ہی نہیں دنیا کے طول وعرض میں پھیل چکے ہیں۔ دارالعلوم تفہیم القرآن آج ایک منفرد تعلیمی ادارہ ہے جس میں مخلص اور صاحبِ نظر اہل علم جمع ہیں اور جو قدیم کے ساتھ جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بھی کوشاں ہے۔

مولانا گوہر رحمٰن کا جماعت اسلامی سے تعلق ۱۹۵۲ء میں قائم ہوا اور رکنیت کا رشتہ ۱۹۶۳ء میں استوار ہوا جس کے بعد وہ تحریک میں اہم سے اہم تر ذمہ داریوں کے مناصب پر فائز ہوتے رہے۔ وہ ۱۹۶۳ء سے وفات تک مرکزی شوریٰ کے رکن رہے، کئی کمیٹیوں کے سربراہ بنے، ۱۲، ۱۳ سال صوبہ سرحد کے امیر رہے، جمعیت اتحاد العلما کے سرپرست اعلیٰ منتخب ہوئے اور ۱۹۸۷ء سے رابطۃ المدارس کے صدر رہے۔ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء تک مرکزی اسمبلی کے رکن رہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے شریعت بل (مئی ۱۹۸۵ء) کا مسودہ اسمبلی میں پرائیویٹ ممبرز بل کے طور پر پیش کیا جو سینیٹ میں شریعت بل کی بنیاد بنا۔ ملک میں نفاذِ شریعت کی تحریک کو پروان چڑھانے میں مولانا گوہر رحمٰن کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل رہا۔

فکری اعتبار سے مولانا مرحوم اپنے کو دیوبندی مکتبِ فکر کا حصہ سمجھتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے پورے علمی ورثے کے وارث تھے۔ طالب علمی ہی کے دور میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان سے متاثر ہوئے۔ امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی فکر میں رچ بس گئے۔ مولانا مودودیؒ کی کتاب الجہاد فی الاسلام، ان کو مولانا کے حلقے میں لے آئی اور وہ تحریک کی فکر کے صاحبِ نظر ترجمان بن گئے۔ فقہ حنفی سے خصوصی نسبت کے باوجود ان کے خیالات میں بڑی وسعت تھی اور خود ایک مقام پر کہتے ہیں کہ "ذہن میں بحمدللہ جمود اور گروہی عصبیت نہیں ہے"۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ کے مکاشفے نے جو انھوں نے اپنی

کتاب المیزان الکبریٰ میں نقل فرمایا ہے، ذہن وفکر کی وسعت کو اور بڑھا دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا ہے کہ علم رسولؐ کی مثال ایک بڑے اور وسیع حوض کی ہے جس کے چاروں طرف نالیاں ہیں اور ہر ایک میں اس کی وسعت کے مطابق حوض کا پانی بہہ رہا ہے۔ مگر ایک بڑی نالی ہے جس میں سب سے زیادہ پانی بہہ رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ بڑی نالی امام ابوحنیفہؒ کی فقہ ہے اور باقی نالیاں دوسرے ائمہ کی فقہ ہے"۔

مولانا گوہر رحمٰن نے دورۂ تفسیر قرآن کی روایت ۱۹۶۷ء سے قائم کی۔ پہلے سال میں دو بار پورے قرآن کی تفسیر بیان فرماتے تھے۔ پھر تحریکی ذمہ داریوں کی وجہ سے اسے سال میں ایک بار کر دیا۔ منصورہ میں ۱۰ سال ۱۵ شعبان سے ۲۷ رمضان تک ڈیڑھ مہینے میں ہر سال سیکڑوں مرد و خواتین کو مکمل قرآن کا درس دیا۔ درس کا یہ سلسلہ روزانہ ۸ سے ۱۰ گھنٹے چلتا تھا جو محض روایتی درس قرآن نہ تھا بلکہ قرآن کے پیغام و معانی کے ساتھ عصری مسائل و معاملات پر ان تعلیمات کے اطلاق اور قرآن کی روشنی میں مطلوبہ انسان اور معاشرے کے قیام تک کے مباحث پر محیط ہوتا اور ایمان، علم، اخلاق اور تحریکیت، ہر ایک کو جلا بخشنے کا ذریعہ بنتا تھا۔

توحید اور اسلامی سیاست کے موضوع پر انھوں نے بڑی معرکہ آرا کتابیں تحریر کی ہیں جو اہل علم کے لیے ایک مدت تک سرمایۂ جان رہیں گی۔ ان کے مقالات اور وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں ریفرنسوں کا مجموعہ تفہیم المسائل کے عنوان سے پانچ جلدوں میں شائع ہوا ہے جو بیک وقت مولانا مودودیؒ کی تفہیمات اور رسائل و مسائل کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اپنے اپنے موضوع پر ہر تحریر معرکے کی چیز ہے۔ سود، اسلامی ریاست میں شوریٰ کا مقام، اسلام اور جمہوریت کے تعلق کی صحیح نوعیت، جدید اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کے وجود اور کردار کا مسئلہ، اقامتِ دین کا حقیقی مفہوم اور غلبۂ دین کی جدوجہد کی اصل حیثیت وہ موضوعات جن پر مولانا نے صرف دادِ تحقیق ہی نہیں دی بلکہ بالغ نظری سے جدید حالات کو سامنے رکھ کر دین کے احکام کی تشریح کی ہے اور تطبیق کے میدان میں اجتہادی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ جدید میڈیکل مسائل کے بارے میں بھی ان کی تحقیق روایت اور جدت کا امتزاج ہے۔ وہ جدید دور کے تقاضوں کا کھلے دل سے ادراک کرتے مگر روایت کے فریم ورک میں ان

کا حل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی رائے سے کہیں کہیں پورے ادب سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ان کی رائے کے وزن اور علمی ثقاہت کے بارے میں دو رائے ممکن نہیں۔ میں نے اسلامی سیاست کے طرز پر ''اسلامی معیشت'' پر لکھنے کے لیے ان سے بار بار درخواست کی لیکن بدقسمتی سے اس موضوع پر انھیں مربوط کتاب لکھنے کی مہلت نہ ملی۔ اگرچہ سود کی بحثوں میں معاشی معاملات پر انھوں نے اپنی جچی تلی آرا کا اظہار کیا ہے۔

مولانا گوہر رحمٰن بڑی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ دلیل کو سننے اور اس پر غور کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے، گو اپنی رائے پر دلیل کی بنیاد پر ہی قائم رہتے تھے۔ اجتماعی زندگی کے مسائل کے سلسلے میں افہام و تفہیم کے لیے آمادہ رہتے لیکن جدید کے ادراک کے باوصف اپنے کردار کو قدیم اور روایت ہی کی ترجمانی قرار دیتے۔ دعوت کے میدان میں بے حد سرگرم اور اَن تھک محنت کے عادی تھے۔ علم کا ایک بحرِ بے کراں تھے اور الحمدللہ استحضارِ علمی کے باب میں منفرد تھے۔ بات منطقی ترتیب سے پیش کرتے اور دین کے معاملے میں کبھی مداہنت سے کام نہ لیتے۔ احتساب کے باب میں بھی ان کی گرفت مضبوط اور بے لاگ ہوتی۔ تدبیر کے معاملات میں اختلاف بھی پوری قوت سے کرتے اور پھر جو فیصلہ ہو جائے اس پر دیانت داری سے عمل کرتے، البتہ جس چیز کو شریعت کے باب میں راہِ صواب کے مطابق نہ پاتے اس پر کبھی سمجھوتہ نہ کرتے لیکن شریعت کے دائرے میں جو حل نکلتا اسے خوش دلی سے قبول کر لیتے۔ اپنے اختلاف کو کبھی ذاتی تعلقات پر اثرانداز نہ ہونے دیتے جو ان کے کردار کی عظمت کی نشانی ہے۔

مجھے مولانا گوہر رحمٰن سے متعدد امور پر علمی استفادے کا موقع ملا اور میں نے ان کو ہمیشہ ایک روشن دماغ صاحبِ علم پایا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے استفادہ بھی ایک سعادت تھی اور اختلاف بھی ایک درس کا درجہ رکھتا تھا۔ تحریکی زندگی میں ایک دور ایسا بھی آیا جس میں مولانا شدید اضطراب کا شکار تھے۔ کچھ چیزوں پر انھیں شدید عدمِ اطمینان تھا لیکن اس کے ساتھ تحریک سے وفاداری اور تعلق کے متاثر نہ ہونے دینے کی خواہش بھی تھی۔ ایک بہت ہی نازک مرحلے پر میں نے اور محترم چودھری رحمت الٰہی صاحب نے مردان کا سفر صرف اس لیے کیا کہ مولانا کے نقطۂ نظر کو سمجھیں اور اختلاف کے باوجود تحریک سے تعلق کی استواری میں کمی نہ آنے کی درخواست

کریں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اجر عظیم دے کہ اپنے انقباض کے باوجود ہماری اور دوسرے احباب کی کوششوں سے' اور سب سے بڑھ کر اللہ کے فضل و کرم سے' وہ اس دور سے جلد نکل آئے اور پھر اس کا کوئی سایہ ان کے تحریکی کردار پر باقی نہ رہا۔ جزاھم اللہ خیرالجزاء۔

وہ کئی سال سے بیمار تھے۔ قوتِ کار برابر کم ہو رہی تھی۔ کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے تھے لیکن ان کے عزم اور شوقِ کار میں کوئی کمی نہ آئی۔ اپنی زندگی کے شوریٰ کے آخری اجلاس میں بھی شریک تھے اور کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور اپنے خیالات کا اظہار اسی شان سے اور دلیل اور جرأت سے کیا جو اُن کا شعار تھا۔ زیر بحث موضوع پر اپنی جچی تلی رائے کا اظہار دلائل کے ساتھ اور نکات کی تعداد کے تعین کے ساتھ کیا۔ البتہ ان کی نقاہت اور آواز کے گلوگیر ہو جانے سے دل کو دھچکا لگا اور ان کے لیے صحت اور درازیٔ عمر کی دعا کی۔ آخری ملاقات ان کے لائق فرزند ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کی پارلیمانی لاج کی قیام گاہ پر جنوری کے مہینے میں ہوئی۔ کیا خبر تھی کہ اس کے بعد ان سے ملنے کی سعادت حاصل نہ ہوگی اور ۱۸ مارچ ۲۰۰۳ء کو ان کے انتقال کی خبر ملے گی--- انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی گراں قدر خدمات کو قبول فرمائے' جو چراغ انھوں نے روشن کیے ہیں وہ تا دیر روشن رہیں۔ ان کی کتب' ان کے خطبات' ان کے تیار کردہ انسان' اُس مشن کے فروغ کا ذریعہ بنیں جس کے لیے انھوں نے اپنی زندگی وقف کی اور جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے اعلیٰ مدارج میں جگہ دے اور ان کو اپنے مقرب بندوں کی معیت عطا فرمائے اور اس اُمت پر اپنا کرم جاری رکھے اور جو جگہ خالی ہوئی ہے اسے پُر کرنے کا سامان فرمائے۔ ان کے اُٹھ جانے سے اپنی محرومی کا احساس کچھ اور بھی شدید ہو گیا ہے ع

جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں